الغزالی فورم کا ترجمان

افکارِ قاسمی

شمارہ یکم اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۲ء

https://www.algazali.org

الغزالی فورم

شائع کردہ

مجلہ

افکارِ قاسمی

بدعا: شیخ الحدیث مولانا خادم حسین صاحب

زیر سرپرستی
مولانا مبارک علی مظاہری

زیر نگرانی
مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیر اعلیٰ
مفتی جسیم الدین شرر قاسمی

مدیر التحریر
مولانا محمد داؤد الرحمٰن علی

مدیر شعبہ خواتین
معلمہ زنیرہ عقیل

کمپوزنگ
احمد عدیل غزالی

- دینی، علمی، اصلاحی، کمپوز شدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہیں ہوں گے۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
- تمام کمپوز شدہ مضامین صرف بذریعہ ای میل ارسال کریں۔
- ہر شمارہ ڈاؤنلوڈ کر کے محفوظ کرلیں ای میل سے نہیں بھیجا جائے گا۔

الغزالی اردو فورم www.algazali.org

فہرست مضامین

مضامین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
ماہ ربیع الاول (اداریہ)	مدیر التحریر کے قلم سے	۲
درس قرآن	حضرت مولانا خادم حسین صاحب	۴
درس حدیث	حضرت مولانا خادم حسین صاحب	۶
اے خدائے لم یزل	کلام: مولانا احمد پرتاب گڑھیؒ صاحب	۸
میں مدینے کی جانب رواں ہوگیا۔	کلام: ایم راقم صاحب	۹
عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد داؤد الرحمن علی	۱۰
ذکر مظاہر علوم کے دربانوں کا	مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب	۱۳
نعت: تاریخ، ہیئت، اسالیب اور آداب	محترم جناب سمیع اللہ حضروی صاحب	۱۸
حضرت حذیفہ بن یمان ایک تعارف	عصمت اللہ نظامانی صاحب	۲۲
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	مدیر التحریر کے قلم سے	۲۷
نصیحۃُ القرآن	محترم جناب محمد حسن صاحب	۳۰
دنیا کو تم نے بہت دیکھا، کیا پایا؟	محمد حفص فاروقی صاحب	۳۲
رابطہ	محمد شعیب صاحب	۳۳
یہ تو دنیا کی آگ کا انگارہ ہے	محترمہ ام محمد صاحبہ	۳۶
وفادار دوست	محترمہ رعنا دلبہ صاحبہ	۳۷

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

website:www.algazali.org Email:qasmimag@gmail.com

ماہ ربیع الاوّل

ادار یہ، مدیر التحریر کے قلم سے

ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا قمری مہینہ ہے۔"ربیع"عربی میں موسمِ بہار کو کہا جاتا ہے، اور اوّل کے معنی ہیں: پہلا، تو ربیع الاول کے معنی ہوئے: پہلا موسمِ بہار۔

موسمِ بہار دو زمانوں پر مشتمل ہوتا ہے: ایک تو اس کا ابتدائی زمانہ، جس میں کلیاں اور پُھول کھلتے ہیں، اور دوسرا وہ زمانہ جب پھل پک جاتے ہیں، پہلے زمانے کو ربیع الاوّل یعنی پہلا موسمِ بہار، جبکہ دوسرے زمانے کو ربیع الثانی یعنی دوسرا موسمِ بہار کہا جاتا ہے۔ جب ان مہینوں کے یہ نام رکھے جا رہے تھے تو اس وقت بہار کے یہی موسم تھے، اور پھر بعد میں ان مہینوں کے یہی نام پڑ گئے۔ (لسان العرب: (9/98، ط: دار صادر)

ربیع الاوّل وہ عظیم مہینہ ہے جس میں رب العالمین نے محسن انسانیت، پیغمبر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتِ مجسم بنا کر عالم دنیا میں مبعوث فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روشن تعلیمات اور نورانی اخلاق کے ذریعہ دنیا سے نہ صرف کفر وشرک اور جہالت کی مہیب تاریکیوں کو دور کر دیا بلکہ لہوولعب، بدعات ورسومات اور بے سروپا خرافات سے مسخ شدہ انسانیت کو اخلاق وشرافت، وقار و تمکنت اور سنت وشریعت کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کر دیا۔ ماہِ ربیع الاوّل کو بھی آپ ﷺ کی ولادت کا مہینہ ہونے کی خاص حیثیت کے اعتبار سے سال بھر کے تمام مہینوں پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام، رقم الحدیث:2744)

ایک مسلمان کی مکمل زندگی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکار اور اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر ہونی چاہئے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں زندگی کے جتنے لمحات بھی گذر جائیں وہ ہمارے لئے سعادت اور ذریعہ نجاتِ آخرت ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ہم پر حق تو یہ ہے کہ ہمارے قلوب ہر لحظہ آپ کی عظمت واحترام سے معمور اور ہمارے دلوں کی ہر دھڑکن آپ کی تعظیم وتوقیر کی ترجمان ہو، ہمارا ہر عمل آپ کے اسوۂ پاک کا نمونہ اور ہر حرکت وسکون اور آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ کے تابع ہو۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک ایک اعلی ترین عبادت ہے، بلکہ روحِ ایمان ہے۔

آپ کی ولادت، آپ کا بچپن، آپ کا شباب، آپ کی بعثت، آپ کی دعوت، آپ کا جہاد، آپ کی عبادت ونماز، آپ کے اخلاق، آپ کی صورت وسیرت، آپ کا زہد وتقوی، آپ کی صلح وجنگ، خفگی وغصہ، رحمت وشفقت، تبسم ومسکراہٹ، آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، الغرض آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت وسکون امت کے لیے اسوہ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا اور دعوت دینا امت کا فرض ہے۔فقہاء کرام کے نزدیک قرآن وسنت کی روشنی میں اس مہینے سے متعلق مخصوص اعمال کا کوئی ثبوت نہیں، اس لیے اس ماہ سے متعلق اپنی طرف سے اعمال وعبادات بیان کرنا شریعت میں زیادتی ہے جو کہ ناجائز ہے۔

تو آیئے! اس ماہ ربیع الاول میں یہ عہد کریں کہ ہم ہمہ وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اپنا اوڑھنا بچھوڑنا بنائیں گے اور آپ کی سنت کو اپنا کر حقیقی امتی ہونے کا ثبوت دینگے۔

☆☆☆☆

ربیع الاول کا جشن منانا

ربیع الاول میں جشن منانا، اور چراغاں کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی مناسبت سے گھروں کو سجانا اسلامی تعلیمات کا حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد اپنی حیاتِ دنیاوی (جس کی مدت 23 سال ہے) میں ایک مرتبہ بھی اپنی ولادت کے دن جشن نہیں منایا اور صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین نے بھی اس کو کبھی نہیں منایا، خیر القرون اور تقریباً ابتدائی چھ صدیوں کے علماء صلحاء اور اولیاء کرام نے اسے نہیں منایا، ساتویں صدی ہجری میں ایک بادشاہ نے اپنی حکم رانی بچانے کے لیے عیسائیوں کی جانب سے کرسمس منانے کے مقابلے میں یہ سلسلہ ایجاد کیا، لہذا ربیع الاول میں ثواب سمجھ کر اہتمام سے چراغاں کرنا بدعت ہے۔ نیز ان ایامِ مخصوصہ میں خاص طور پر کھانے پینے کی اشیاء بنانا اور تقسیم کرنا بھی بدعت ہے، لہذا ایسے کاموں سے اجتناب کرنا شرعاً لازم ہے جن کو عبادت وثواب کی امید کے ساتھ نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود کیا ہو اور نہ ہی صحابہ کرام وخیر القرون میں کسی نے کیا ہو، باوجود یہ کہ یہ حضرات نیکیوں کے معاملے میں ہم سے زیادہ حریص تھے، اور اس زمانے میں بھی اس کا وجود ممکن تھا۔

فتاویٰ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی (فتاویٰ آئی ڈی: 144203200606)

درس قرآن

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

اھدنا الصراط المستقیم

یہ دعا ہے کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا اقرار کرلیتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ بس ہم تیری ہی عبادت کریں گے اور تجھ سے ہی مدد چاہیں گے یہی صراطِ مستقیم ہے، اس پر استقامت کی دعا کرتا ہے۔ صراطِ مستقیم کے دو مصداق ہیں:

اوّل عبادت واستعانت جیسا کہ دوسری جگہ ہے:

ان اللّٰہ ربی وربکم فاعبدوہ ھٰذا صراطٌ مُّستقیم۔ (آل عمران: ۵۱)

الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لّا تعبدوا الشیطٰن انہٗ لکم عدوٌّ مبین O وان اعبدونی ھٰذا صراطٌ مستقیم O (یٰس: ۶۱)

دوم راہِ حق جو کہ اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرات، اخلاقیات سب کو شامل ہے جیسا کہ سورۃ انعام میں ''قل تعالوا اتل ما حرم'' والے رکوع میں ان سب کو بیان فرما کر آخر میں فرمایا:

اِنَّ ھٰذا صراطی مستقیمًا فاتّبعوہُ (الانعام: ۱۵۳)

ہدایت دو قسم پر ہے۔ فطری اور کسبی!!

فطری پیدائشی طور پر ہر ایک ذی روح کو حاصل ہوتی ہے۔ ''**واعطی کلَّ شیءٍ خلقہٗ ثم ھدٰی**'' **(طٰہٰ: ۵۰)** ''**والذی قدَّر فھدٰی**'' **(الاعلیٰ)** اسی واسطے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا پستان چوسنے لگتا ہے، مرغی کا چوزہ بغیر سکھائے دانے چگنے لگتا ہے۔

کسبی چار قسم ہے، ترتیب کے ساتھ۔

(۱) انابت: ”ویھدی الیہ من اناب“ (رعد:) ”ویھدی الیہ من ینیب“ (الشوریٰ: ۱۳)

(۲) ہدایت: یہ انابت کے بعد حاصل ہوتی ہے، گذشتہ آیات میں مذکور ہے۔

(۳) استقامت: ”ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا“ (حٰمٓ السجدہ:)

(۴) ربط القلب: ”وزدنٰھم ھدًی وربطنا علٰی قلوبھم اذ قاموا فقالوا ربنا“ (الکھف: ۱۴)

ضلالت بھی چار قسم ہے:

(۱) ریب۔ توحید وحق میں شبہات کا پڑنا۔

(۲) ضلالت۔ شبہات کو دور نہ کیا جائے بلکہ پختہ ہوجائیں اور باطل راستے پر چل پڑے۔

(۳) جدال۔ انہی باطل نظریات کو ثابت کرنے کیلئے اہلِ حق سے جھگڑا شروع کردے۔

(۴) ختم القلب۔ یعنی مہر جباریت، حق کے مدلل ثابت ہونے کے باوجود اُسے نہیں مانتا بلکہ اُس کے خلاف جدال شروع کردیتا ہے اور باطل پر ڈٹ جاتا ہے تو مہر جباریت لگ جاتی ہے، دل بند ہوجاتا ہے اُس کے اندر کفر شرک اور نفاق جو بھرا ہے وہ باہر نہیں آتا اور ایمان ویقین اُس کے اندر نہیں جاتا۔

یہ چاروں چیزیں ”ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فمازلتم فی شکٍ... علٰی کل قلب متکبرٍ جبّارٍ“ (مومن: ۳۴، ۳۵) تک دو آیتوں میں موجود ہیں۔ (عقد الجواھرات من خلاصۃ السور والآیات)

☆☆☆☆

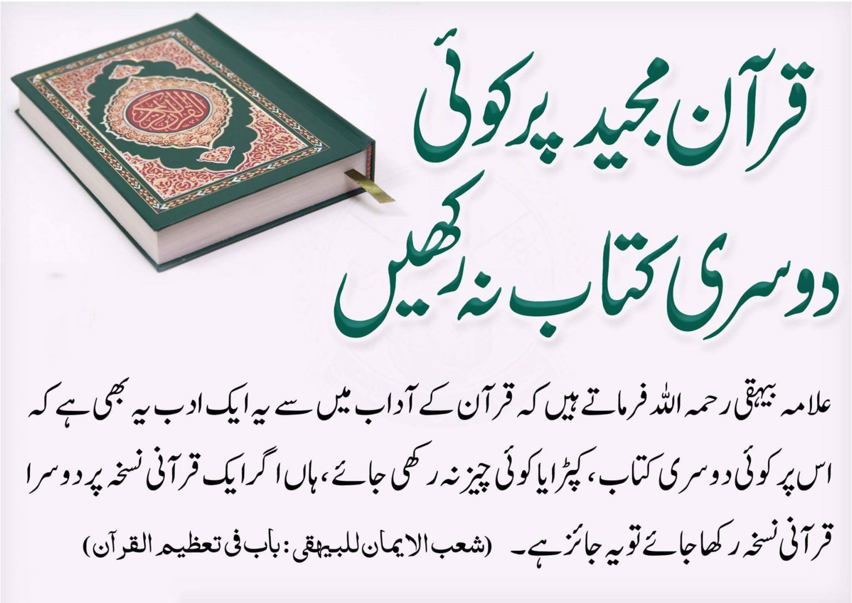

درس حدیث

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک خوشبودار تھا۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اُمِّ سُلَیْم مَاھٰذَا قَالَتْ عَرَقُکَ نَجْعَلُہٗ فِیْ طِیْبِنَا وَھُوَ اَطْیَبُ الطِّیْبِ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلیم آپ کیا کر رہی ہیں انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پسینہ کو اپنی خوشبو میں ڈال رہے ہیں اور وہ تمام خوشبوؤں سے زیادہ عمدہ خوشبو ہے۔(مشکوٰۃ ۵۱۷)

آپ علیہ السلام حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں دوپہر کو قیلولہ کرلیا کرتے تھے وہ آپ کو ایک کھال کا بچھونا ڈال دیا کرتی تھیں اسی پر آپ قیلولہ کیا کرتے تھے۔ آپ کو پسینہ بہت آتا تھا (بہت خوشبو والا ہوتا تھا) تو ام سلیم وہ پسینہ جمع کرلیا کرتی تھیں اور اپنی خوشبو میں ڈال لیتی تھیں۔ایک دفعہ آپ نے پوچھ لیا کہ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ تو صاف بتادیا یہ بہت عمدہ خوشبو ہے ہم اپنی دوسری خوشبوؤں میں ڈال لیتے ہیں (اس سے وہ بھی عمدہ ہوجایا کرتی تھیں)۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ۔(مشکوٰۃ ص ۵۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایسی رحمت ہوں جو ھدیہ بھیجی گئی (امت کی طرف)۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُدْعُ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً۔(مسلم)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ سے کہا گیا آپ مشرکین کے لئے بددعا کردیں تو آپ نے فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں تو رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

کَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْھًا وَاَحْسَنَھُمْ خُلُقًا لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ کَانَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَاَشْجَعَ النَّاسِ کَانَ شَیْبُہٗ نَحْوَ عِشْرِیْنَ شَعْرَۃً۔

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سب لوگوں سے خوبصورت تھا۔

آپ ﷺ سب لوگوں سے اچھے اخلاق والے تھے، آپ ﷺ نہ زیادہ لمبے قد کے تھے نہ زیادہ چھوٹے قد کے تھے (درمیانہ قد تھے) آپ ﷺ لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ آپ ﷺ سب لوگوں سے بہادر تھے آپ کے سفید بال بیس کے قریب تھے۔ (سلک المروارید من سیرۃ الحبیب ﷺ)

☆☆☆☆

اے خدائے لم یزل

کلام: مولانا احمد پرتاب گڑھیؒ صاحب

حمد تیری اے خدائے لم یزل تو ہی خالق ہے تو ہی خلاّق ہے
ہے یہ اپنی زندگی کا ما حصل تو ہی رب انفس و آفاق ہے

تیری قدرت کی نہیں کچھ انتہا یا علیمُ یا سمیعُ یا بصیر
شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا یہ زمین و آسماں، شمس و قمر
ذکر تیرا روح کی میری شفا دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر

تو ہی مالک تو ہی رب العالمین شان تیری کون سمجھے گا بھلا
تیرے در پر جھکتی ہے سب کی جبین ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا

تو ہی ہے مقصور تو ہی مدعا کید سے شیطان کے یارب چھڑا
جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا اور شرورِ نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی مجھ کو اب اپنا بنا
کرلے تُو مقبول احمد کی دُعا

مدینہ روانہ

کلام: ایم راقم نقشبندی صاحب

میں مدینے کی جانب رواں ہوگیا واپسی پہ میں اک کارواں ہو گیا

قافلہ میرا کہ رشک آمیز تھا اس میں شامل زمیں آسماں ہوگیا

ان کے دربار اقدس پہ جب میں گیا قافلہ آنسوؤں کا رواں ہو گیا

عرض کرنے ہی والا تھا آقا سے میں حال دل میرا ان پر عیاں ہوگیا

میرے لب پر رہا جاری صلے علے فیضِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نعت خواں ہو گیا

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد داؤد الرحمن علی

”عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ ایک ایسا عنوان ہے جس کا ذکر آتے ہی ایک عاشقِ رسول کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی اور جذبات مچلنے لگتے ہیں، سوز و گداز قلب و روح کو گرمانے لگتا ہے، محبت کی چنگاریاں اندر اندر ہی سُلگنے لگتی ہیں اور دل جانِ کائنات وجان رحمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلّم کی جانب کھنچنے لگتا ہے، دیدار مصطفیٰ وزیارتِ روضۂ انور کی تمنا موجیں مارنے لگتی ہے، انسان چاہتا ہے کہ بس کون سا وقت ہو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دوں، زمین سمٹ جائے کہ آنکھوں سے مدینہ دیکھ سکوں، سفر سمٹ جائے کہ مدینہ کی ہواؤں میں پہنچ جاؤں۔ الغرض ایک سچے مسلمان کی یہی نشانی ہوتی ہے جب اس کے سامنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آئے تو اس کے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریا موجزن ہو جاتا ہے۔

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب

عاشق رسول کا مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والا، نبی کی اداؤں پر مر مٹنے والا، نبی کی سنتوں کو اپنانے والا، نبی کی اطاعت و فرماں برداری میں دل و جان نچھاور کرنے والا، نبی کے قول و عمل کی خلاف ورزی سے بچنے والا اور پوری زندگی سنت کے مطابق گذارنے والا ہو۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل محبت الٰہی کا ذریعہ ہے

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تا کہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ آل عمران 31)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کا حصول رسول کریمؐ کی اطاعت سے مشروط فرمایا ہے۔

یعنی امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سمجھا یا جا رہا ہے اگر تم نے اللہ کی محبت کو پانا ہے تو تمہیں پہلے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانا ہوگی۔

اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی ضروری ہے

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ

کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ (سورۃ آل عمران 32)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک حکم رشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم میری محبت کا حصول چاہتے ہو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر میری محبت کو پانا ناممکن ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (سورۃ نساء آیت نمبر 80)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر رشتہ سے زیادہ محبوب رکھو

اللہ رب العزت قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے کہ "(اے رسول) کہہ دیجئے اگر اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان اور مال جو لوگ تم جمع کرتے ہو اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور گھر جو تمہیں پسند ہیں (اگر یہ سب کچھ) تم لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ (دنیا اور آخرت میں تمہاری ذلت وتباہی کے لئے) اللہ کا حکم آجائے اور (اگر ایسا ہی کرتے رہو گے تو یاد رکھو) اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا" (سورۃ التوبہ)

اس آیت مبارکہ میں اللہ واضع حکم ارشاد فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اپنے ہر قریبی اور محبوب رشتہ سے زیادہ رکھو۔ اگر تم اپنے قریبی و محبوب رشتہ کی محبت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے بڑھایا تو پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرنا۔ اگر کامیابی چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت کرو ورنہ ایمان کامل نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضع بتلا دیا جب تک تم اپنی جان سے زیادہ مجھ سے محبت کرو ورنہ ایمان کامل نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ کا کہنا ہے کہ ہم ایک دن حضور پاکؐ کے ساتھ تھے اور آپؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ

"نہیں اُس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں تو تم مومن نہیں ہو سکتے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپؐ اب مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو رسول کریمؐ نے فرمایا "اب تمہارا ایمان کامل ہوا"۔ (بخاری شریف، کتاب الایمان)

ایک کلمہ پڑھنے والے کے لئے رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر خدا کے بعد کوئی بھی پیارا نہیں ہو سکتا جن کے صدقے اللہ نے تمام جہان پیدا فرمائے۔ یاد رکھیں ایمان کی مٹھاس بھی اُسے ہی حاصل ہوتی ہے جو سرکار دو عالم ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ ہمارا یہ کامل یقین ہے کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ سے محبت وعقیدت مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے اور کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک رسول اکرم ﷺ کو تمام رشتوں سے بڑھ کر محبوب و مقرب نہ جانا جائے۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا تھا۔

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نا جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا ﷺ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا۔

آج ہمارے تمام تر مسائل کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زندگی سے سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے کی بجائے محض اُن کی محبت کو زبانی کلامی دعوؤں تک محدود کر دیا ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارا دعویٰ تو عشق رسول ﷺ کا ہو مگر ہم اُن کی زندگی کو اپنانے اور اپنی زندگی میں اُن کے کردار و افعال کو لانے میں کامیاب نہ ہو پاتے ہوں۔ ہمیں اس پر سوچنا چاہئے کہ یا تو ہم دعویٰ میں جھوٹے ہیں یا پھر ہمیں آپ ﷺ کی زندگی کو اپنی زندگیوں میں لانا ہوگا۔

ہر صاحب ایمان کی محبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی جان و مال سے کہیں بڑھ کر ہے، اس لیے ہمیں باقاعدگی سے خود کا محاسبہ کرنا چاہئے کہ کیا واقعی ہم اس محبت کا حق بھی ادا کر رہے ہیں یا محبت کا دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر اپنے افعال سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ سوچئیے گا ضرور

دعا ہے اللہ پاک ہم سب کو عشق رسول ﷺ نصیب فرمائے اور حقیقی معنوں میں اطاعت رسول اکرم ﷺ کرتے ہوئے محبت الٰہی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

ذکر مظاہر علوم کے دربانوں کا

آنکھوں سے اشک جاری کرنے والی داستان

قسط دوم

مفتی ناصرالدین مظاہری صاحب

ملاعبداللہ مرحوم

امتحان کے پرچے کا لطیفہ:

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ دونوں نے نائب ناظم بنانا چاہا، مفتی صاحب چونکہ خالص تدریسی ذوق کے حامل تھے، وہ جانتے تھے کہ انتظامی مصروفیات تدریس وتصنیف میں حارج ہوجاتی ہیں اس لئے سختی کے ساتھ قبول منصب سے انکار کردیا لیکن ہر دو بزرگوں کے پیہم اصرار پر یہ منصب عظیمہ قبول کرنا پڑا۔ اب آتے ہیں اس تمہید کی غرض وغایت کی طرف، تمام ہی ہمدردان مدرسہ ایک دوسرے کو اس نیابت اہتمام وانتظام پر مبارکبادپیش کررہے تھے لیکن مرحوم بھائی محمد عبداللہ کا الگ ہی انداز تھا، مفتی صاحب کے پاس پہنچے اور برملا کہنے لگے:

”اجی مفتی صاحب! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ مظاہر علوم کے ناظم بن جاؤ گے تو میں کبھی بھی آپ کو وہ پرچہ نہ دکھاتا“

موجودین بھی انگشت بدنداں اور خود حضرت مفتی صاحب بھی متعجب کہ ماجرا کیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ بھائی جی پرچہ کیسا؟

تو فرماتے ہیں کہ اجی جب یہ دورۂ حدیث شریف پڑھ رہے تھے، امتحان کا وقت چل رہا تھا، میں قاری صاحبؒ (حضرت سعید احمد اجراڑویؒ) کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ان کو بہت چاہتا تھا، میں امتحان کے پرچے اور کاپیاں لے امتحان گاہ کی طرف جارہا تھا، راستے میں یہ مل گئے اور پوچھنے لگے کہ بھائی جی! آج کے پرچے میں کیا سوال ہیں؟ مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آگے چل کر مدرسہ کے ناظم بن جائیں گے ورنہ میں بالکل نہ دکھاؤں تھا“

یہ الگ بات ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ ہمیشہ اس واقعہ سے اپنی لاعلمی کا اظہار فرماتے رہے لیکن بھائی عبداللہ کی ہوشمندی کی بات ہے کہ پہلی فرصت میں پہنچ کر گویا اپنے طور پر معاملہ کو صاف کرنے کی کوشش کرلی۔

دنیا یہاں تک پھیل چکی ہے

خود ہی بتایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ دہلی گیا، میں بچپن تھا، کاندھلہ سے باہر کبھی کہیں گیا نہیں تھا، دہلی کی رونق، فلک نما عمارات، عمدہ وکشادہ سڑکیں، گاڑیوں کی کثرت اور عوامی ہجوم کو دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا:

''ابا جی! دنیا یہاں تک پھیل چکی ہے''

میں جاہلوں کے منہ نہیں لگتا

سہارنپور سے کاندھلہ جانے کے لئے ریلوے لائن ہے جو پہلے کبھی چھوٹی لائن ہوا کرتی تھی بعد میں بڑی لائن سے تبدیل ہوگئی، اگرچہ مشہور اب بھی چھوٹی لائن سے ہی ہے۔ بھائی عبداللہ سہارنپور سے بذریعہ ٹرین کاندھلہ جارہے تھے، پسنجر ٹرین وہ بھی اس زمانے کی، ٹرین سہارنپور سے روانہ ہوئی، رام پور منہاران سے گزری نانوتہ اسٹیشن قریب تھا، بھائی عبداللہ نے اپنی سیٹ چھوڑ دی، دروازے کے پاس پہنچے تو وہاں قریبی اسٹیشنوں پر اترنے والے لوگ اور خاص کر اسکولی طلبہ کھڑے تھے، بھائی عبداللہ نے ان بچوں کو ڈپٹ کر کہا کہ تم لوگ دروازے سے ہٹ کر کنارے کھڑے ہو جاؤ، ایک بچے نے پوچھ لیا کہ چچا میاں آپ کو کہاں اترنا ہے؟

بولے مجھے کاندھلہ اترنا ہے، سارے ہی بچے بولے کہ اجی چچا کاندھلہ تو ابھی بہت دور ہے ابھی تو جلال آباد، تھانہ بھون شاملی وغیرہ کئی اسٹیشن آنے باقی ہیں شاملی کے بعد کاندھلہ آئے گا آپ تب تک تھک جائیں گے، آرام سے اپنی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔

بھائی عبداللہ بولے کہ میں جاہلوں کے منہ نہیں لگتا۔

اذان وتکبیر کہنے کے لئے نزاع

مولانا محمد عمر مظاہری نے بتایا کہ بھائی عبداللہ اور یٰسین بھائی دونوں کو اذان اور تکبیر کہنے کا بڑا شوق تھا، ایک دفعہ تو تکبیر کہنے کے لئے دونوں میں جھگڑا ہوگیا، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین بھی موجود تھے، اس ہنگامہ آرائی پر حضرت مفتی صاحبؒ کو غصہ آگیا اور دونوں پر خوب گرجے، خوب برسے پوری مسجد میں سناٹا طاری تھا۔ اس کے بعد اس بابت دونوں میں کبھی نزاع نہیں ہوا۔

ملا یٰسین قریشی مرحوم

یٰسین قریشی جن کا ابھی اوپر ذکر خیر ہوا، یہ بھی اچھے انسان تھے، چلتے وقت بڑھاپے کی وجہ سے اپنی کمر کو پیچھے سے پکڑ لیتے تھے، آواز بہت صاف، لہجہ رسیلا، کام کے پکے اور دھن کے سچے تھے، غریب گھر اور گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے، فرصت کے اوقات میں بھائی عبداللہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ عام بات تھیں،

مفتی صاحب دفتر اہتمام میں ہوتے اور فرصت ہوتی تو دونوں کو بلا لیتے اور مجلس زعفران زار بنی رہتی۔

آج میری دعوت تمہارے یہاں ہے

ایک دن مجھ سے اپنا ایک واقعہ بتانے لگے کہ حضرت مفتی مظفرحسین صاحبؒ جلدی کسی کی دعوت قبول نہیں فرماتے اور میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ مفتی صاحب کی دعوت کرسکوں کیونکہ گھریلو حالات ابتر تھے، ایک دفعہ میں حضرت کے پاس دفتر اہتمام میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک مفتی صاحب نے فرمایا کہ بھائی یسین! آج آپ کے یہاں میری دعوت ہے! یسین قریشی کہتے ہیں یہ سننا تھا کہ میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، میں نے صاف صاف عرض کردیا کہ حضرت! میرے گھر کے چوہے بھوک کی وجہ سے عصا لے کر چلتے ہیں اور آپ دعوت کی بات کر رہے ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں جو ماحضر ہوگا وہی کھالوں گا، میں نے کہا کہ حضرت! صاف بات یہ ہے کہ ماحضر ہی نہیں ہے، فرمایا پھر بھی تمہارے گھر چلیں گے اور اگر کچھ مل گیا تو ٹھیک ورنہ واپس چلے آئیں گے۔

حضرت مولانا اطہر حسینؒ جو اپنی مخصوص زاہدانہ شان اور قناعت پسندانہ آن کی وجہ سے مشہور تھے اور وہ تو کہیں بھی کسی کے یہاں بھی دعوت میں نہیں جاتے تھے، دعوت کی اِس گفتگو میں شریک ہوگئے اور کہنے لگے کہ بھائی یسین! بھائی جی (حضرت مولانا اطہر حسینؒ حضرت مفتی مظفرحسینؒ کو بھائی جی کہتے تھے) کے ساتھ میں بھی آؤں گا۔

یٰسین صاحب کہتے ہیں کہ میری حالت تو ایسی ہوگئی کہ کاٹو تو خون نہیں، میں جلدی جلدی گھر پہنچا، ڈرتے ڈرتے اپنی اہلیہ کو یہ واقعہ بتایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے دعوت کی پیش کش بالکل نہیں کی تھی، مفتی صاحب نے خود ہی فرمایا ہے اب کیا ہوگا؟

یٰسین صاحب کی اہلیہ نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے آنے دو، میں نے کہا اللہ کی بندی وہ کوئی عام انسان نہیں ہیں مظاہر علوم کے ناظم صاحب ہیں ساتھ ہی ان کے بھائی بھی ہیں، اہلیہ نے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے مائیکے سے عقیقے کا کھانا آیا ہے وہی ان کے سامنے رکھ دیں گے۔

یٰسین صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے گھر میں مفتی صاحب کے لئے بیٹھنے کا انتظام کیا، اتنے میں مفتی صاحب اور مولانا اطہر حسین صاحب رکشہ میں بیٹھ کر میرے گھر پہنچ گئے، جو کچھ تھا سامنے رکھ دیا، دونوں بھائیوں نے بڑی محبت اور اور اپنائیت سے تھوڑا سا کھانا کھایا۔

چلتے وقت مفتی صاحب نے دوسو روپے اور مولانا اطہر حسین صاحب نے سو روپے بھی عنایت فرمائے، اس زمانہ میں یہ رقم میری تنخواہ سے بھی زیادہ تھی اور مجھے ان دنوں میں روپوں کی سخت ضرورت تھی۔

ملا نور حسن مرحوم:

ان کا نام نور حسن تھا، ترمت کھیڑی ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، دبلے پتلے، ہلکے جسم، گندمی رنگ، چوڑی پیشانی اور بلند قامت انسان تھے۔

مدرسہ میں اُس وقت تک پانی کی بڑی ٹنکی نہیں بنی تھی، موٹر چلا کر ٹینک بھرنا پڑتا تھا، حوض بھی بھرتے تھے کیونکہ پانی کی ٹونٹیاں بھی نہیں تھیں، مسجد کی صفیں بھی درست کرنی پڑتی تھیں، اگر دھوپ یا جمعہ ہوتا تو شامیانہ بھی لگانا پڑتا تھا۔

ان تمام تر مشکل مراحل سے یہ نیک طینت اور بےنفس انسان اکیلا گزرتا تھا لیکن مجال ہے کبھی حرف شکایت زبان پر آیا ہو، یا کام کے بوجھ کا شکوہ کیا ہو۔

یہ ساری خدمت آپ مسجد کلثومیہ میں انجام دیتے تھے جہاں طلبہ کی بڑی تعداد رہتی اور نماز پڑھتی ہے، بہت سے طلبہ مسجد میں تکرار و مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں، ظاہر ہے جو طالب علم جس جگہ مطالعہ یا تکرار یا سنتیں پڑھے گا اپنے اوپر والا پنکھا چالو کرلے گا، فارغ ہوکر اکثر طلبہ تو پنکھے بند کردیتے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو پنکھا چلاتے تو بڑی ذمہ داری کے ساتھ ہیں لیکن بند کرنے میں نہایت غیر ذمہ دار واقع ہوتے ہیں، بلکہ مصروفیت کے دوران اگر لائٹ چلی جائے اور لائٹ کی غیبوبت میں نماز یا مذاکرہ سے فراغت ہوجائے تو اکثر ہوشیار لوگوں کا ذہن بھی پنکھا بند کرنے کی طرف نہیں جاتا۔ ملا نور حسن مرحوم ایسے لوگوں اور طلبہ پر بہت غصہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ان ”سوہروں“ نے ایک مشکل کھڑی کر رکھی ہے کوئی ادھر سے پنکھا چلا کر بھاگ جاتا ہے تو کوئی ادھر بٹن دبا کر چلا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید وقار علی بجنوری طلبہ کی نگرانی کے لئے عموماً اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، مولانا جماعت ثانیہ اور مسبوقین کے بھی بہت خلاف تھے، طلبہ کو ہمیشہ ہدایت اور نصیحت فرماتے کہ مسجد کی جماعت میں شرکت کرو اور تاکید فرماتے کہ تکبیر اولی کا اہتمام بھی کرتے رہو۔

مسجد کلثومیہ کے داہنی جانب موذن کا حجرہ ہے، حجرہ کے برآمدے میں آٹھ دس لوگوں کے بقدر نمازیوں کی گنجائش ہے، جو طلبہ جماعت اولی سے محروم رہ جاتے ہیں وہ جماعت ثانیہ کرلیتے ہیں۔

ایسا ہی ایک موقع تھا، ملا نور حسن امام کے بالکل پیچھے صف میں تھے۔ امام نے سلام پھیرا تو مولانا سید وقار علیؒ کو تکبیرات کی آوازیں سنائی دیں، مولانا نے مڑ کر دیکھا تو جماعت ثانیہ ہورہی تھی، امامت کے فرائض اشرف علی سیتاپوری نامی ایک طالب علم انجام دے رہا تھا۔

مولانا نے زور سے فرمایا:

''ارے نورحسن! جتنے طلبہ جماعت ثانیہ میں شامل ہیں ان سب نالائقوں کے نام لکھواور ان کا کھانا بند کرادو''

ملاجی نورحسن، پے چارے بوڑھے، کم پڑھے لکھے، بھلا کہاں قلم کاغذ لے کر اس تکلف میں پڑتے پھر بھی حکم تھا اٹھے، صفیں چیر کر سہ دری تک پہنچنے کی کوشش شروع کی، ادھر مولانا کی یہ آواز جماعت ثانیہ کے امام عالی مقام نے بھی سن لی تھی، پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ تھا جب ملاجی سہ دری تک پہنچے تب تک دیر ہو چکی تھی، امام صاحب نے اپنی قوم کو سجدہ کی حالت میں چھوڑا اپنے چپل اٹھائے اور بھاگ کھڑا ہوئے۔

جب سجدہ میں کچھ دیر لگی تو ایک طالب علم نے سر اٹھا کر امام عالی مقام کو دیکھا وہاں تو خالی مقام تھا، زور سے چلایا ابے بھاگو! امام غائب ہو چکا ہے، بس پھر کیا تھا دمادم سبھی طلبہ نے امام کی تقلید کی اور ملاجی آنکھیں ملتے رہ گئے انھیں تو سجھائی بھی کم دیتا تھا، ملاجی ہنسنے لگے اور خود حضرت مولانا سید وقار علی بھی ہنسنے لگے۔

خیر یہی ملا نورحسن انتقال سے پہلے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، نیم بے ہوشی کا عالم تھا، اپنے بیٹے ملاجی صداقت سے کہنے لگے کہ نماز کا وقت ہونے والا ہے میری طبیعت کچھ خراب محسوس ہو رہی ہے، گلے میں بھی خراش ہو رہی ہے، ایسا کرو تم اذان دیدو، پھر میں خود کل سے اذان دیا کروں گا، دلجوئی کے لئے ایک لڑکے نے اذان دے دی، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر کہنے لگے بیٹے! جب تو نے اذان دے دی ہے تو تکبیر بھی کہہ دے میرا گلا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ چنانچہ پھر ایک لڑکے نے چار پائی کے پاس ہی تکبیر کہہ دی۔ اب ملاجی کے چہرے پر بلا کا سکون طاری تھا جیسے کسی بڑی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ اسی حالت میں آنکھیں بند کرلیں اور روح نے قفس عنصری سے نکل کر اپنی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆☆☆☆

نعت، تاریخ، ہیئت، اسالیب اور نعت گوئی کے آداب

نعت گوئی پر ایک زبردست مضمون

قسط دوم

محترم سمیع اللہ حضروی صاحب

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنی کتاب ''النبي الخاتم'' میں لکھتے ہیں:۔

سدھارتھ (مہاتما بدھ) کی موت کا جب وقت قریب آیا تو ان کے شاگرد نندا نے پوچھا کہ آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا؟۔ بدھ نے اس کے جواب میں کہا کہ ''نندا! میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو اس زمین پر آیا نہ میں آخری بدھ ہوں، اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا۔'' نندا نے کہا: ''ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے؟'' آقا نے فرمایا:۔''وہ میتر یا کے نام سے موسوم ہوگا''۔(النبی الخاتم ص 22 مولانا مناظر احسن گیلانی)

میتر یا کا معنیٰ ''وہ جس کا نام رحمت ہو'' ہے۔اور یہ نام حضور اکرم ﷺ کے رحمت اللعالمین ہونے کی غمازی کرتا ہے۔

مؤرخین اور علماے تفاسیر کے ہاں اس بدھ سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں۔

یمن کے بادشاہ تُبّع حِمیَری نے (جب انھیں آپ ﷺ کی آمد کا علم ہوا تو) نعتیہ انداز میں کہا کہ''اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس آبادی (مدینہ منورہ) سے ہٹ جاؤں جو محمد ﷺ کی وجہ سے محفوظ رکھی گئی ہے۔میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اگر میری عمر، ان کی عمر (زمانے) تک لمبی ہوئی تو میں ان کا مددگار بنوں گا۔ (مخزن نعت، مرتب: اقبال احمد ص40)

مولانا بشیر احمد حسینی لکھتے ہیں:۔''عبرانی عہد قدیم میں محمد یم کے نام سے واضح لفظ موجود ہے۔مسیحی علماء اس نام کو اس لیے غلط انداز سے پیش کرتے ہیں کہ تا کہ حقیقت اوجھل اور صداقت پر پردہ رہے''۔(محمیر یم کون ہے؟ ص 37۔مولانا بشیر احمد حسینی)

مذکورہ بالا کتب میں موجود آپ ﷺ کا ذکر مبارک اس بات کی غمازی کرتا ہے تعریف اور توصیف نبوی و (نعت) کا آغاز شروع ہی قائم ہے۔

مدینہ منورہ، جس کا ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے نام یثرب تھا، میں یہود کے کئی ایک قبائل آباد تھے۔ان کی مذہبی کتاب توریت تھی۔

اس میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا ذکر تھا اور یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ آپ ہجرت کرے یہاں کھجوروں والی سرزمین تشریف لائیں گے۔ یہ لوگ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر تھے۔ اہل مکہ سے ان کے روابط تھے۔ یہودی ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے اہل مکہ بھی کسی نہ کسی صورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر تھے۔

یہی سبب تھا زمانہ جہالیت میں عرب شعراء اپنی شاعری میں حضور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف (نعت) بیان کرتے رہتے تھے۔

ان شعراء میں ایک شاعر قس بن ساعدہ نے یوں ایک نعت کہی:

سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے مخلوق کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ وہ ہم میں احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجے گا اور بہتر نبی مبعوث کرے گا۔ جب تک کے قافلے اللہ کے گھر کا حج کرتے ہیں ان پر درود بھیجا جاتا رہے گا" (مخزن نعت، مرتب: اقبال احمد ص 41)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کیا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کے قریب حضرت عبدالمطلب کے بیٹھنے کی جگہ مخصوص (مسند) تھی، جہاں کسی کو بیٹھنے کی جرأت نہ تھی۔ صرف آپ کو وہاں بیٹھ سکتے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لائیں تو راستے میں ان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات ظاہر ہونے لگیں تو زبان پر بے اختیار یہ کلمات جاری ہو گئے، جنھیں نعت کہا جا سکتا ہے۔ "میں اپنے بچے (نبی اکرم) کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں۔ یہاں تک کہ میں اسے شتر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں کے ساتھ اور درماندہ لوگوں کے ساتھ سلوک واحسان کرنے والا ہے"۔ (رحمۃ للعلمین وسلمان منصور پوری جلد 2 ص 94)

حضرت حلیمہ سعدیہ کی لخت جگر اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن شیما جب آپ دل کو بہلاتیں تو یہ لوری کہتیں: "اے میرے رب! تو ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقی رکھ یہاں تک کہ میں ان کو نوعمر جوان اور امر (حاکم) دیکھ لوں اور پھر انھیں سردار عالی مقام دیکھوں تو ان کے دشمنوں اور حاسدوں کو یک لخت مغلوب کرنا اور انھیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی عزت اور غلبہ عطا کرنا جسے ہمیشگی حاصل ہو"۔ (کلام الملوک: مولانا اشرف علی تھانوی، ص 81)

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا حضرت ابوطالب (جن کا اصل نام عبدمناف تھا) کے کاندھوں پر آ گئی۔ آپ نے جس کمال شفقت اور محبت سے یہ ذمہ داری نبھائی، کتب سیرت اس کی واضح شہادت دیتی ہیں۔ حضرت ابوطالب نے حضور سرور کونین کو کسی بھی وقت اپنے سے جدا نہیں کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو دعوت اسلام دی تو لوگ آپ کی جان کے دشمن بن گئے ان حالات میں بھی حضرت ابوطالب نے اہل مکہ کی مخالفت کی پروانہ کرتے ہوئے آپ اکا ہر لحاظ سے دفاع کیا۔

اور اپنے والد بزرگوار، حضرت عبدالمطلب سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا۔ آپ نے حضور اکرم کو اس وقت اپنے سایہ عاطفت میں لیا جب آپ ﷺ کی عمر صرف 8 سال تھی۔ پھر حضرت ابوطالب نے اپنی وفات تک آپ ﷺ کی پشت پناہی کا فریضہ بڑی جاں فشانی سے انجام دیتے رہے۔ آپ کی وفات نبوت کے 10 ویں سال ہوئی۔ اسی سال آپ ﷺ کی زوج مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی وفات ہوئی۔ اسی لیے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوطالب، اپنے بھتیجے ﷺ کی عظمت و رفعت سے بہ خوبی واقف تھے۔ آپ کے دیوان میں کئی ایک مقام پر رحم مجسم، پیغمبر اعظم ﷺ کی تعریف و توصیف میں کہے گئے اشعار موجود ہیں۔ آپ کا کلام عربی شعر و ادب کا ایک شاہکار ہے۔ آپ کے کلام میں پائے جانے والی فصاحت و بلاغت، عرب کی فصیح البیانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ سیرت کی کتب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب اہل مکہ نے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے اسلام کی وجہ سے معاشی اور معاشرتی تعلق ختم کر دیا تو آپ ﷺ نے مع اپنے اصحاب کے شعب ابی طالب کا رخ کیا۔ اس وقت جناب ابوطالب بھی مع اہل و عیال آپ ﷺ کے ساتھ چلے آئے۔ راتوں کو جناب ابوطالب آقائے عالمین کے بستر پر کبھی اپنے لخت جگر عقیل کو تو کبھی اپنے نور العین علی کو سلا دیتے تھے کہ اگر دشمن کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو وہ میرے بیٹوں کو پہنچے لیکن میرا بھتیجا محمد ﷺ محفوظ رہے۔

سیرت ابن ہشام میں حضرت ابوطالب کے کچھ نعتیہ اشعار مرقوم ہیں۔ چند اشعار کا ترجمہ پیش ہے۔

1 - محمد ﷺ ایسے خوش جمال شخص ہیں جن کی برکت سے بادل پانی برساتا ہے۔ جو یتیموں کے لیے جائے پناہ اور بیواؤں کا پردہ ہیں۔

2 - بنی ہاشم میں جسے ہلاکت کا خطرہ ہو وہ اس کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ وہ اس کے پاس رہ کر اللہ کی رحمت اور نعمت پاتے ہیں۔

3 - وہ ایک عالی مرتبت انسان ہیں جن کا شمار سب سے مرتبے والے سرداروں میں ہوتا ہے۔ وہ اس خاندان بنو ہاشم سے ہیں، جو بڑائیوں کے میدان میں برتری کا مالک ہے۔

عربی مؤرخین اور ادباء نے حضرت ابوطالب کے اشعار محفوظ رکھے ہیں اور بعد میں ان تتبع کرنے والوں نے بھی ان کے اشعار اپنی تحریروں کے ذریعے محفوظ رکھے۔ یہی ان اشعار کے معیاری ہونے کی دلیل ہے۔

نعت، بعد از بعثت نبوی

اس دور کی ابتداء اس وقت ہوئی جب حضور اکرم و نے اہل مکہ کو بت پرستی سے روکا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور یہ دور ہمیشہ رہے گا۔ اس دعوت کا یہ اثر ہوا کہ مکہ کے لوگ آپ ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے۔

اور آپ ﷺ کی (نعوذ باللہ) برائی بیان کرنے لگے۔

دین اسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا سعید الفطرت لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے۔ اہل مکہ کے ظلم و ستم کے جواب میں صحابہ کرام اپنی جان کی پروا کیے بغیر آپ ﷺ کی حفاظت پر کمر بستہ ہو گئے۔ جب دشمن آپ ﷺ کی مذمت کرتے تو صحابہ کرام ان کے جواب میں آپ ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرنے لگتے۔ شاعری اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ یہ لوگ اپنی شاعری میں دشمنان اسلام کو ایسے فی البدیع دندان شکن جواب دیتے کہ ان سے لوگوں سے جواب نہ بن پڑتا تھا۔ صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ صحابیات نے بھی نبی کریم ﷺ کی شان میں عمدہ نعتیہ اشعار کہے ہیں۔

جب دین اسلام کی شمعیں مدینہ منورہ میں روشن ہوئیں تو وہاں موجود یہودی اپنی روایتی دشمنی پر اتر آئے۔ ان کی کوششیں یہ تھیں کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی اشاعت روکی جائے۔ جب آپ ﷺ مکہ معظّمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو اپنے وجود اقدس سے عزت سے معزز فرمایا تو ان (یہود) کی دشمنی دو چند ہو گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی یہود سے مل کر در پردہ آپ ﷺ دشمن بن گیا اور آپ ﷺ اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ کعب بن اشرف یہودی اپنے اشعار غلیظہ سے نبی کریم ﷺ کی مذمت کرتا تھا جس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی۔ صحابہ شعراء اسے مدحت نبوی ﷺ صورت میں جواب دیے تھے لیکن یہ بدفطرت اور بدطینت اپنی غلیظ حرکات کے ہاتھوں کسی صورت باز نہ آتا تھا۔ آخر آپ ﷺ کے حکم پر اسے ذلت کی موت مارا گیا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کی شاعری کا محور اسلام اور آپ ﷺ کی تعریف اور دفاع تھا۔ اکثر مواقع پر حضور اکرم ﷺ کے حکم پر آپ نے دشمنان اسلام کے اشعار کے جواب میں ایسے فی البدیع اشعار کہے کہ ان کے ناطقے ہی بند ہو گئے۔

آپ کا دیوان نعت نبوی ﷺ کا غماز ہے۔

روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے بعض اوقات جب کفار مکہ آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کرتے تو آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جواب دینے پر مامور فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ فی البدیع مدحت نبوی ﷺ سے معمور اشعار کہہ کر کفار کو ایسے دندان شکن جواب دیتے کہ ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگتے۔ ان کے اشعار تیروں کی طرح ان کے سینے چھلنی کر دیتے تھے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆

حضرت حذیفہ بن یمانؓ
ایک تعارف

محترم جناب عصمت اللہ نظامانی صاحب
تخصص فی علوم الحدیث/ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ معزز، محترم اور قابلِ تعظیم ہیں، قرآن پاک اور احادیثِ مبارکہ میں ان کے بیشمار فضائل ومناقب وارد ہوئے ہیں، اسلام کے لیے انہوں نے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں کہ بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔لیکن ان سب باتوں کے باوجود بعض صحابہ کرام کے خاص مناقب اور اوصاف تھے جو دوسروں میں نہیں تھے۔ یقیناً ان صحابہ کا تذکرہ کرنا، اور امت کے سامنے ان کا اوصاف اجاگر کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت اور ہماری ذمہ داری ہے، اس لیے ذیل میں ان جلیل القدر صحابہ میں ایک ایسے صحابی کا تذکرہ کریں گے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رازدار ہونے کا شرف حاصل ہے، اور وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما ہیں۔

نام ونسب:

ان کا مکمل نام "حذیفہ بن حسل بن جابر" ہے، ان کے والد کا اصل نام "حسل" تھا، لیکن وہ "یمان" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لقب پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ کے والد "حسل" انصار کے ایک قبیلہ "بنو اشہل" کے حلیف بنے، اور وہ قبیلہ چونکہ ملکِ یمن میں رہتا تھا، لہذا اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں "یمان" کا لقب دیا گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کی مسلمان کے ہاتھوں شہادت:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد اور والدہ دونوں صحابہ میں سے تھے۔ ان کے والد "یمان" کی شہادت غزوۂ احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت حذیفہ اور ان کے والد دونوں غزوۂ احد میں شریک تھے، اور مشرکینِ مکہ کے خلاف لڑ رہے تھے، اور اس زمانے مین چونکہ خود وغیرہ پہن کر لڑتے تھے، اس لیے حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کو صحابہ پہچان نہ سکے

اوران پر حملہ کر دیا،حضرت حذیفہ نے جب یہ دیکھا تو انہیں روکنے لگے،لیکن تب تک ان کے والد حضرت یمان شہید ہو چکے تھے، چنانچہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے:

فنادى أي عباد الله أبي أبي، فقالت: فوالله ما احتجزوا حتى قتلوه.

حضرت حذیفہ پکارنے لگے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے والد ہیں، میرے والد ہیں۔لیکن لوگ نہیں رکے، یہاں تک کہ انہیں شہید کر دیا۔

حضرت حذیفہ کی والدہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت:

حضرت حذیفہ کے والد کی طرح ان کی والدہ بھی جلیل القدر صحابیہ تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہاء محبت کرتی تھیں، اپنے بیٹے حضرت حذیفہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی سختی سے تاکید کرتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تھی۔جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

عن حذيفة، قال: سألتني أمي متى عهدك تعني بالنبي صلى الله عليه وسلم فقلت مالي به عهد منذ كذا وكذا، فنالت مني۔۔۔الحديث.

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کتنے دن بعد حاضر ہوتے ہو؟ میں عرض کیا کہ اتنے دنوں سے میرا وہاں جانا نہیں ہوا، اس پر انہوں نے مجھے سخت ڈانٹا۔۔۔الخ

پھر حضرت حذیفہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بتایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ اوران کی والدہ دونوں کے لیے دعا کی۔

حضرت حذیفہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایفائے عہد:

حضرت حذیفہ اوران کے والد غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ آرہے تھے کہ راستے میں کفار نے انہیں روک لیا اور پوچھا کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ان کے پاس نہیں، بلکہ صرف مدینے میں جانا چاہتے ہیں، تو کفار نے ان سے اللہ کا نام لے کر عہد و پیماں لیا کہ وہ مدینے جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر نہیں لڑیں گے، پھر جب وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

انصرفا، نفي لهم بعهدهم، ونستعين الله عليهم

تم مدینے چلے جاؤ! ہم ان کا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالی سے مدد چاہیں گے۔

اس واقعے سے اسلام میں ایفائے عہد کی اہمیت اور لزوم کا اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ کا زمانہ ہے، مسلمانوں کو مجاہدین کی ضرورت بھی ہے، اور دوسری طرف حملہ آور کفار سے کیا ہوا عہد ہے، لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے ایفائے عہد کا حکم دیا، اور دونوں صحابہ کو جنگ میں شریک ہونے سے روک دیا۔

حضرت حذیفہ کو ہجرت اور نصرت کا اختیار دیا گیا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہجرت اور نصرت دونوں کا اختیار دیا تھا، چنانچہ ایک روایت میں کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

إن شئت كنت من المهاجرين، وإن شئت كنت من الأنصار؟ فقال: من الأنصار. قال: فأنت منهم.

اگر تم چاہو تو مہاجرین میں سے ہو، اور اگر چاہو تو انصار میں سے ہو، اس پر انہوں نے عرض کیا: انصار میں سے ہونا چاہتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم انہی میں سے ہو۔

حضرت حذیفہ اور تعظیمِ رسول ﷺ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بے انتہاء تعظیم اور احترام کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حالتِ جنابت میں صبح سویرے کہیں جا رہے تھے کہ سامنے سے حضور ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو ایک طرف کھسک گئے، اور پھر غسل وغیرہ کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے اس بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ حالتِ جنابت میں تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس حالت میں حضور ﷺ کو چھوئیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

إن المسلم لا ينجس۔

مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

حضرت حذیفہ کا جنابت کی حالت میں حضور ﷺ کا جسم چھونے سے گریز کرنا ان کے دل میں آپ ﷺ کی بے انتہاء عظمت واحترام کی دلیل ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے خصائص ومناقب احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جن میں سے بعض کچھ وضاحت کے ساتھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراور فتنوں کے بارے میں سوالات:

صحابہ کرام عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر، بھلائی اور نیکی سے متعلق دریافت کیا کرتے تھے، لیکن حضرت حذیفہ ان کے برعکس شر اور فتنوں وغیرہ سے متعلق سولات کیا کرتے تھے؛ تا کہ ان سے بچا جا سکے ()، اس لیے فتنوں، علاماتِ قیامت، اور منافقین کے احوال سے متعلق احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ ان سے منقول ہے۔

حضرت حذیفہ کا اپنے جذبات سے مغلوب نہ ہونا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ انہیں اپنے جذبات پر مکمل قابو اور کنٹرول تھا، کیسے بھی تکلیف دہ حالات ہوں، لیکن حضرت حذیفہ کبھی اپنے جوش وجذبے کے ہاتھوں مغلوب نہیں ہوئے، جیسا کہ مندرجہ ذیل دو واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

1:۔ان کے والد یمان کو ان کے سامنے شہید کیا گیا، لیکن ان کے منہ سے صرف اتنا نکلا:

يغفر الله لكم۔

اللہ تعالی تمہیں بخشے۔

حالانکہ ان کو اپنے والد سے بہت محبت تھی، چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں:

فوالله مازالت في حذيفة بقية خير، حتى لحق بالله عزوجل.

اللہ کی قسم! حضرت حذیفہ کو (اپنے والد کے اس طرح شہید ہونے پر) ہمیشہ غم رہا، یہاں تک وہ اللہ تعالی سے جا ملے۔

2:۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو غزوۂ خندق کے موقعے پر مشرکینِ مکہ کے لشکر کی طرف جاسوس بنا کر بھیجا، اور ان سے فرمایا:

اذهب فأتني بخبر القوم، ولا تذعرهم علي

جا کر ان کی خبر لے آؤ، لیکن انہیں مت اکسانا، یعنی کوئی حرکت نہ کرنا۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں مشرکینِ مکہ کے لشکر میں گیا، تو وہاں ابوسفیان سامنے بیٹھا تھا، میں نے ترکش سے تیر نکال کر اس کو

مارنے چاہا، لیکن مجھے حضور ﷺ کا فرمان یاد آگیا، اس لیے میں کچھ کیے بغیر واپس آگیا، اگر میں اس کو تیر مارتا تو یقیناً اس کو لگتا۔

حضرت حذیفہ کو حضور ﷺ کا راز دار ہونے کا شرف:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو کسی کو راز دار بنانے کے لیے ضروری ہوتی ہیں، اور ان میں بالخصوص اپنے جوش و جذبات پر کنٹرول اور قابو رکھنا ہے،

چنانچہ انہی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر حضور ﷺ نے انہیں اپنے راز دار بنانے کا شرف بخشا، اور فتنوں سے متعلق، اور منافقین کے ناموں اور ان کے احوال سے متعلق پوری تفصیل سے حضرت حذیفہ کو آگاہ کیا۔

انتقال پُر ملال:

حضور ﷺ کے اس راز دار صحابی کا انتقال محرم الحرام، سن 36ھ کو شہر مدائن میں ہوئی۔

☆☆☆☆

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

مدیر التحریر کے قلم سے

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صفر ۱۲۶۹ھ بمطابق دسمبر ۱۸۵۲ء کو قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا آبائی وطن صوبہ یوپی ضلع سہارنپور کا ایک مشہور قصبہ انبیٹھ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت پر اپنے روحانی باپ و مرشد قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ سے جا ملتا ہے آپ کے والد ماجد شاہ مجید قصبہ ابنیٹھ ۔ کے مشہور و ممتاز خاندان ایوبی کے ایک نمایاں فرد تھے۔ آپ کی والدہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی حقیقی بہن اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی قدس سرہ کی صاحبزادی تھی۔

جب حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی عمر ۵ سال ہوئی تو آپ کے نانا محترم حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمہ اللہ نے آپ کو تبرکاً بسم اللہ شریف پڑھا کر قاعدہ شروع کرا دیا۔ فطرتاً آپ ذہین اور ذکی تھے اس لیے ناظرہ قرآن جلدی مکمل کر لیا۔ قرآن مجید کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ابتدائی عربی اور فارسی کتابیں انبیٹھ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں ، پھر جب ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کی خبر سنی اور یہ معلوم ہوا کہ دارالعلوم میں صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صاحب قرار پائے ہیں۔ تو آپ والدین سے اجازت لے کر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں پر صرف، نحو اور فلسفہ کی متداول کتب پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے تقریباً چھ ماہ بعد سہارنپور شہر میں مدرسہ مظاہر العلوم کا افتتاح ہوا جس کے صدر مدرس مولانا محمد مظہر نانوتویؒ صاحب تجویز ہوئے دارالعلوم دیوبند میں اگرچہ آپ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صاحب کی زیر نگرانی بہترین نظم و نسق کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مگر قدرت کو منظور تھا کہ جس ذات گرامی کے ہاتھوں مظاہر العلوم کو منازل ترقی طے کرنے ہیں وہ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں مظاہر العلوم ہی کا رہین منت اور احسان مند ہو۔ اس لیے دیوبند میں آپ کا دل نہیں لگا اور آپ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے آئے۔

یہاں پر آپؒ نے حدیث، فقہ، تفسیر، اصول، منطق، ہیئت اور دیگر علوم عالیہ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ صاحب اور دیگر مدرسین سے پڑھے۔

تقریباً ۱۹ سال کی عمر میں آپ نے درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد علوم ادبیہ میں مہارت کا شوق آپ کو اورینٹل کالج لاہور لے آئی یہاں پر آپ نے مشہور ادیب مولانا فیض احمد سہارنپوری سے علوم ادبیہ کی خاطر خواہ تکمیل فرمائی۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی جب لاہور سے واپسی ہوئی تو آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صاحب نے عربی کے معتبر اور مستند لغت قاموس کا ترجمہ کرنے کے لیے آپؒ کو منصوری پہاڑ بھیج دیا۔

منصوری پر آپ کے قیام کو ابھی چند ہی ماہ گزرے تھے کہ منگلور کے مدرسہ عربیہ میں مدرس کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ بحیثیت صدر مدرس وہاں تعینات ہو گئے۔ اس کے بعد بالترتیب بھوپال، بہاولپور، بریلی، اور دیوبند میں مدرس رہے۔

۱۳۱۴ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۴۵ سال تھی صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ مظاہر العلوم میں آپ کا تقرر ہوا جہاں آپ نے پڑھا اور علمی نشونما پائی تھی۔ مدرسہ مظاہر العلوم میں آپؒ نے اپنے استاذ محترم مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کے لگائے ہوئے باغیچے کو اس جانفشانی اور تندہی سے سینچا، جس کا اظہار مظاہر العلوم کا ہر طاق و محراب اور ہر در و دیوار کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے تصوف و سلوک کے منازل طے کرنے کے لیے آستانہ رشیدیہ پر حاضر ہوئے۔

قطب عالم، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کے منازل طے کیے۔

جب آپؒ سفر حج پر روانہ ہوئے تو اسی سفر میں امام ربانی، مرشد العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ صاحب نے نہ صرف آپؒ کو بیعت فرمایا بلکہ خلافت سے نوازا سر پر دستار رکھی اور تحریری خلافت نامہ بھی عنایت فرمایا۔

جب آپؒ واپس ہندوستان پہنچے تو حضرت گنگوہیؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور خلافت نامہ دکھایا، حضرت گنگوہیؒ نہایت خوش ہوئے، اور اسی خلافت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے آپؒ کو اپنی طرف سے بھی خلافت عنایت فرمادی۔

۱۶ شوال المکرم ۱۳۴۴ھ کو آپ مدرسے سے ڈیڑھ سال کی رخصت لے کر حج کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے مناسک حج پورے ہونے کے بعد اپنے رفقاء سفر کو واپس ہندوستان بھیج دیا اور خود وہیں پر سکونت اختیار کر لی اس دوران آپؒ نے بعض علماء مدینہ کے اصرار پر ابوداود پڑھانا شروع کر دی مگر یہ سلسلہ درس صرف دو روز تک رہا، کیونکہ درس کا آغاز آپ کی وفات سے چار دن قبل ہوا تھا۔

آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''بذل المجھود'' مدینہ منورہ میں سکونت کے دوران ہی مکمل ہوئی۔

جب بذل کی تالیف سے فراغ ہوئے تو فرمایا کہ حق تعالی سے تین دعائیں مانگی تھیں دو قبول ہو چکی ہیں ایک باقی ہے۔

۱۔مکہ مکرمہ میں پرامن اسلامی شریعت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔

۲:موت سے پہلے پہلے بذل کی تالیف مکمل ہوجائے۔

۳:حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار۔میں دفن ہونا نصیب ہوجائے۔

آپ کی تیسری دعا کو بھی اللہ رب العزت نے شرف قبولیت بخشا۔چنانچہ بذل المجہود مکمل ہونے کے تقریباً 8 ماہ بعد 15 ربیع الثانی 1346ھ کو بعد عصر وصال فرمایا۔اور قبلہ اہل بیت کے متصل دفن ہوئے ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ جامعہ مظاہر العلوم سے ڈیڑھ سال کی حاصل کردہ رخصت میں نہ ایک دن کم ہوا نہ زیادہ،رخصت کا زمانہ 15 ربیع الثانی 1346ھ کو ختم ہوا اور سورج غروب ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا کہ آفتاب علم وعمل غروب ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆☆

نصیحۃُ القرآن

محترم جناب محمد حسن صاحب

چین سکون Relaxation کی تلاش

آپ اُداس ہیں؟ پریشان ہیں؟ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں؟ آپکا کوئی پوچھنے والا نہیں کوئی بھی سہارا دینے والا نہیں؟؟
توغم مت کریں اپنی سوچوں کا رُخ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف پھیر دیں پھر دیکھیں کہ آپکو سب سے بہترین دوست بہترین سہارا دینے والی ذات بہترین تسلی دینے والی ذات اللہ تعالیٰ جو کہ آپکا ربّ خالق و مالک ہے کیسے ملتا ہے؟
آپ اُنکی قدرت کی نشانیوں میں سوچیں اپنی پریشانی کو دس منٹ کے لیئے بھول جائیں۔
رات کے بارے میں سوچیں کیسا عجیب دورانیہ Duration ہوتا ہے جب سب دنیا والے خود بخود آرام کی نیند سو جاتے ہیں حتیٰ کہ جانور بھی۔

رات جیسا یہ عجیب پہر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

دن کے بارے میں سوچیں کس طرح تمام دنیا والے مصروف ہو جاتے ہیں اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ رزق کما کر رات گزارنے کے لیئے اپنی رہائش پر آ جاتے ہیں۔ یہ بھی قدرت کا عجیب شاہکار ہے۔
چاند سورج کے بارے میں سوچیں کیسی عجیب مخلوق ہے؟ کہ صرف انسان ہی کے فائدہ کے لیئے اپنی ڈیوٹی کر کے اللہ کا حکم پورا کرتے ہیں۔ اور ہم انسان ہیں کہ بس گُناہ پہ گُناہ کرتے جا رہیں ہیں ذرا بھی اپنے ربّ کی رضا کا خیال نہیں کرتے۔

آسمان کے بارے میں سوچیں کیسے بغیر ستون کے اتنی بڑی چھت قائم ہے؟

پہاڑوں کے بارے میں سوچیں کیسے بڑے بڑے میخیں کیل کی طرح زمین پر نصب کر دیئے گئے ہیں؟
غرض آپ جتنا بھی اللہ تعالیٰ کی کائینات میں سوچیں گے آپکا تعلق اور آپکی دوستی اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو گی اور آپکو کبھی بھی تنہائی محسوس نہیں ہو گی۔ سکون Relaxation حاصل کرنے کا یہ بہت بہترین طریقہ ہے۔

فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کی کائینات میں غور کرنا ایک بہترین عبادت ہے اس میں غور کرنے سے آپ محسوس کریں گے کہ کوئی ذات ایسی ہے جو میرے ساتھ بات کر رہا ہے مجھے تسلی اور دلاسہ دے رہا ہے اور میرا مددگار بن رہا ہے۔

سورۃ النمل آیت 86 میں اللہ تعالی کا اِرشاد ہے

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔

ترجمہ:-کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے رات اس لیئے بنائی تا کہ اس میں سکون حاصل کریں اور دن اس طرح بنایا کہ اس میں چیزیں دکھائی دیں۔

یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالی کی قدرت میں سوچ وفکر سے آپ کی پریشانی ہلکی ہوگی آپکو قدرتی طور پر تسلی ملے گی لہذا اُسی ایک ذات سے دوستی بنائیں وہی دوستی کے قابل ہے۔

یقین جانیئے اگر ہم نے اللہ تعالی سے تعلق اور دوستی کا مزہ لے لیا تو کبھی بھی گُناہ کو دل نہیں کرے گا بلکہ اگر گُناہ ہو بھی جائے تو آپ پر ایک بہت بڑے پہاڑ اور بوجھ کی طرح لگے گا۔

تو آیئے! کوشش کیجئے پریشانی کے باوجود اپنی سوچوں کا رخ تھوڑی دیر کے لیئے کائینات میں غور کرنے کی طرف پھیر دیجئیے۔

اپنے ربّ کی قدرت میں غور وفکر سے اپنی پریشانی دور کیجیئے اور اسی سے دوستی بنا کر تمام گُناہوں سے سچی توبہ کیجئے۔

پھر آپ کبھی بھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے کبھی بھی کسی انسان کی کمی محسوس نہیں کریں گے کیونکہ آپکا تمام مخلوقات کے ربّ کے ساتھ گہرا تعلق جو بن گیا ہے۔

اب آپ سُکون محسوس کریں گے اور ایسا لگے گا کہ کوئی بہت بڑی طاقت آپکے پیچھے کھڑی ہے آپ کو دلاسہ دے رہی ہے۔

☆☆☆☆

کیا کھویا کیا پایا؟

محمد حفص فاروقی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شہر نجران کے ایک بزرگ آئے جن کی عمر دو سو برس تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: دنیا کو تم نے بہت دیکھا، کیا پایا؟

کہنے لگے چند ایک سال راحت کے، چند ایک سال تکلیف کے، ہر دن رات میں کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی مرجاتا ہے۔ اگر پیدا ہونا بند ہوجائیں تو دنیا ایک دن ختم ہوجائے (کہ مرنے کا سلسلہ بھی ہے)۔ اگر مرنا بند ہوجائیں تو دنیا میں رہنے کی جگہ بھی نہ ملے (اس لئے معتدل نظام یہی ہے کہ پیدا بھی ہوتے رہیں اور مرتے بھی رہیں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مجھ سے کوئی چیز مطلوب ہو، میرے قابل کوئی خدمت ہو، تو بتاؤ، میں اس کو پورا کردوں۔

وہ کہنے لگے کہ:

جو عمر میری ختم ہوچکی ہے، وہ مجھے واپس مل جائے (یا آئندہ کو موت نہ آئے)۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ تو نہیں کرسکتا۔

کہنے لگے: پھر مجھے آپ سے کچھ مانگنا بھی نہیں ہے۔

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی شہوتوں (خواہشوں) سے وہی شخص صبر کرسکتا ہے، جس کے دل میں آخرت کی چیزوں کے ساتھ کوئی مشغولی ہو۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم سب نے دنیا کے ساتھ محبت کرلینے پر صلح کرلی ہے، جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کو نہ اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے نہ بری باتوں سے روکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس حال پر ہمیں ہمیشہ چھوڑے رکھیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا نہ معلوم کس وقت کیا عذاب ہم پر نازل ہوجائے۔ (فضائل صدقات، حصہ دوم، ص:401)

رابطہ

محمد شعیب صاحب

ایک دفعہ ایک صحافی اپنے پرانے ریٹائرڈ استاد کا انٹرویو کر رہا تھا اور اپنی تعلیم کے پرانے دور کی مختلف باتیں پوچھ رہا تھا۔ اس انٹرویو کے دوران نوجوان صحافی نے اپنے استاد سے پوچھا۔ سر ایک دفعہ آپ نے اپنے لیکچر کے دوران contact، اور، connection، کے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے ان دو الفاظ کا فرق سمجھایا تھا اس وقت بھی میں کنفیوز تھا اور اب چونکہ بہت عرصہ ہو گیا ہے مجھے وہ فرق یاد نہیں رہا۔ آپ آج مجھے ان دو الفاظ کا مطلب سمجھا دیں تاکہ مجھے اور میرے چینل کے ناظرین کو آگاہی ہو سکے۔

استاد مسکرایا اور اس سوال کے جواب دینے سے کتراتے ہوئے صحافی سے پوچھا۔

کیا آپ اسی شہر سے تعلق رکھتے ہیں؟ شاگرد نے جواب دیا۔ جی ہاں سر میں اسی شہر کا ہوں۔

استاد نے پوچھا آپ کے گھر میں کون کون رہتا ہے۔ شاگرد نے سوچا کہ استاد صاحب میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے اس لیے ادھر ادھر کی مار رہے ہیں۔ بہرحال اس نے بتایا میری ماں وفات پا چکی ہے۔ والد صاحب گھر میں رہتے ہیں۔ تین بھائی اور ایک بہن ہے اور سارے شادی شدہ ہیں۔

ٹیچر نے مسکراتے ہوئے نوجوان صحافی سے پوچھا۔ تم اپنے باپ سے بات چیت کرتے رہتے ہو؟

اب صحافی کو غصہ بھی آیا اور کہا جی میں باپ سے گپ شپ کرتا رہتا ہوں۔ استاد نے پوچھا یاد کرو پچھلی دفعہ تم باپ سے کب ملے تھے؟

اب نوجوان نے غصے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ شاید ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے جب میں ابو کو ملا تھا۔

استاد نے کہا تم اپنے بہن بھائیوں سے تو اکثر ملتے رہتے ہو گے۔ بتاو پچھلی دفعہ تم سب کب اکٹھے ہوئے تھے اور گپ شپ حال احوال پوچھا تھا؟ اب تو صحافی صاحب کے ماتھے پر پسینہ آ گیا اور لینے کے دینے پڑ گیے وہ سوچنے لگا میں تو استاد کا انٹرویو لینے چلا تھا مگر الٹا استاد میرا انٹرویو لینے لگا ہے۔

اس نے ایک آہ بھر کر لمبا سانس لیتے ہوئے بتایا کہ شاید دو سال ہو گیے جب ہم بہن بھائی اکٹھے ہوے تھے۔ استاد نے ایک اور سوال پوچھا کہ تم لوگ کتنے دن اکٹھے رہے تھے؟ نوجوان نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا ہم لوگ تین دن اکٹھے رہے تھے۔ استاد نے پوچھا تم اپنے والد کے پاس بیٹھ کر کتنا وقت گزارتے ہو؟ اب تو صحافی بہت پریشان ہو گیا اور نیچے میز پر رکھے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔

استاد نے پوچھا کبھی تم نے باپ کے ساتھ ناشتہ، لنچ یا ڈنر بھی کیا ہے؟ کبھی آپ نے ابو سے پوچھا وہ کیسے ہیں؟ کبھی تم نے باپ سے دریافت کیا کہ تمہاری ماں کے مرنے کے بعد اس کے دن کیسے گزر رہے ہیں؟

اب تو انٹرویو کرنے والے صحافی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو برسنے لگے۔

استاد نے صحافی کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ پریشان، شرمندہ، مایوس یا اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے بے خبری میں تمہیں دکھ پہنچایا۔

لیکن میں کیا کرتا کیونکہ مجھے آپ کے سوال Contact اور connection کا جواب دینا تھا۔

اب غور سنو، ان دو الفاظ کا فرق یہ ہے کہ تمہارا contact (رابطہ) تو تمہارے ابو سے ہے مگر connection (تعلق) ابو سے نہیں رہا یا پھر کمزور ہے۔ کیونکہ تعلق یا کنکشن دلوں کے درمیان ہوتا ہے۔

جب کنکشن یا تعلق ہوتا ہے تو آپ ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارتے ہیں، ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹتے ہیں۔ ہاتھ ملاتے اور گلے سے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کے کام بخوشی سرانجام دیتے ہیں۔ جیسے ایک معصوم بچے کی ماں اس کو سینے سے لگاتی ہے چومتی بغیر مانگے دودھ پلاتی ہے اس کی گرمی سردی کا خیال رکھتی ہے جب وہ چلنا شروع کرتا ہے تو سائے کی طرح اس کے پاس رہتی ہے تاکہ وہ گر نہ جائے کوئی غلط چیز نہ کھالے۔ گر پڑے تو اس بچے کو گلے سے لگا کر چپ کراتی ہے۔

تو میرے پیارے شاگرد آپ کے باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ صرف contact (رابطہ) ہے مگر آپ کے درمیان connection (تعلق) نہیں ہے۔

نوجوان صحافی نے اپنے آنسو رومال سے صاف کیے اور استاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا سر آپ نے مجھے آج ایک بہت بڑا سبق پڑھا دیا جو زندگی بھر نہیں بھولے گا۔

آج ہمارے معاشرے کا یہی حال ہے کہ ہمارے آپس میں بڑے رابطے ہیں مگر کنکشن بالکل نہیں۔ آج فیس بک پر ہمارے پانچ ھزار فرینڈز ہیں مگر حقیقی زندگی میں ایک بھی نہیں۔

آج ہم صبح سویرے درجنوں دوستوں کو گڈ مارننگ کہہ کر بغیر خوشبو کے پھول بھیجتے ہیں حقیقی زندگی میں ایک پھول کی پتی بھی دستیاب نہیں، آج ہمارے فیس بک پر ہزاروں ہیپی برتھ ڈے کے پیغامات اور خوبصورت کیک کی تصویریں ملتی ہیں لیکن حقیقی زندگی میں ایک بھی دوست نہیں جو گھر آکے گلے سے ملکر سالگرہ کی مبارک دے اور سینے سے سینہ بھینچ کر کہے سالگرہ مبارک میرے یار۔ آج ہم تمام لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور کاغذ کے بے خوشبو پھولوں۔ بڑے کیک کی تصویروں سے دل بہلاتے ہیں۔

اللہ سبحان تعالیٰ ہم سب کے تعلق اور رابطے کو پائیدار بنائے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆☆

یہ تو دنیا کی آگ کا انگارہ ہے

محترمہ ام محمد صاحبہ

عبداللہ بن مرزوق، خلیفہ مہدی کے ساتھ دنیا میں مشغول تھے، ایک دن انہوں نے شراب پی اور لہو اور سماع (موسیقی اور رقص) میں مشغول رہے تو ظہر، عصر اور مغرب کی نماز نہ پڑھ سکے اور ہر نماز کیلئے ان کی باندی انہیں متنبہ (ہوشیار) کرنے آئی۔

پھر جب عشاء کا وقت نکلنے لگا، تو وہ ایک انگارہ لائی اور اس کے پاؤں پر رکھ دیا۔

وہ چیخ مار کر اٹھا اور کہا یہ کیا ہے؟

باندی نے کہا یہ تو دنیا کی آگ کا انگارہ ہے، تو آخرت کی آگ کیسے برداشت کرے گا؟

عبداللہ بہت روئے، پھر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور ان کے دل میں باندی کی بات بیٹھ گئی۔

انہوں نے نجات کیلئے یہی جانا کہ ہر قسم کے مال و دولت سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔

تو انہوں نے اپنی باندیاں آزاد کر دیں اور معاملات نمٹائے اور بقیہ مال صدقہ کر دیا اور خود سبزی بیچنے لگے اور باندی نے بھی ان کی پیروی کی۔

ایک مرتبہ ان کے پاس (اس زمانے کے مانے ہوئے دو ولی اللہ) سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور فُضَیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ آئے یہ اپنے سر کے نیچے اینٹ لگائے لیٹے تھے۔

سفیان نے کہا کہ جو کوئی اللہ تعالی کیلئے کوئی چیز چھوڑتا ہے، اللہ تعالی اس کا بدل اسے عطا فرماتے ہیں، عبداللہ! بتاؤ تمہیں عوض میں کیا ملا

عبداللہ نے جواب دیا کہ میری اس حالت پر مجھ کو اللہ کی رضامندی ملی ہے۔

وفادار دوست

محترمہ رعنا دلبر صاحبہ

ایک طالب علم نے اپنے ہم جماعت کی پیٹھ پر ایک کاغذ چپکا دیا جس پر لکھا تھا'' آئی ایم سٹوپِڈ/I'm Stupid''، اور باقی ہم جماعت لڑکوں سے کہا کہ لڑکے کو نہ بتائیں۔ سب ہنسنے لگے۔ دوپہر کو ریاضی کی کلاس شروع ہوئی اور ان کے استاد نے بورڈ پر ایک مشکل سوال لکھا۔

اسٹیکر والے لڑکے کے علاوہ کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا، وہ بورڈ کی طرف بڑھا اور مسئلہ حل کیا۔ استاد نے کلاس سے کہا کہ وہ اس کے لیے تالیاں بجائیں اور اس کی پیٹھ پر موجود کاغذ ہٹا دیں۔ ٹیچر نے لڑکے سے کہا: "ایسا لگتا ہے کہ آپ اس کاغذ کے بارے میں نہیں جانتے جو آپ کے ہم جماعت نے آپ کی پیٹھ پر چسپاں کیا ہے۔"

پھر استاد نے باقی کلاس کی طرف دیکھا اور کہا: "اس سے پہلے کہ میں آپ کو سزا دوں، میں آپ کو دو باتیں بتاتا ہوں: سب سے پہلے، زندگی بھر، لوگ آپ کی ترقی کو روکنے کے لیے بہت سے برے الفاظ کے ساتھ آپ پر لیبل لگائیں گے۔ اگر آپ کے ہم جماعت کو اس سٹیکر کے بارے میں علم ہوتا تو وہ سوال کا جواب دینے کے لیے نہیں اٹھتا۔

یہ واضح ہے کہ آپ سب کے درمیان اس کا کوئی وفادار دوست نہیں ہے جو اسے اسٹیکر کے بارے میں بتائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ آپ کے کتنے دوست ہیں- یہ وہ وفاداری ہے جو آپ اپنے دوستوں کے ساتھ بانٹتے ہیں جو اہم ہے۔

آپ نے اپنے اوپر لگائے کسی بھی لیبل پر دھیان نہیں دینا۔

اگر آپ کے پاس ایسے دوست نہیں ہیں جو آپ کی پیٹھ پیچھے آپ کا دفاع کر سکیں، اور جو آپ کا حقیقی طور پر خیال رکھ سکیں، تو آپ اکیلے ہی بہتر ہیں۔

☆☆☆☆